

إِنْ تُخْفِوْ مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تَبْدِلُهُ يَعْلَمُهُ اللَّهُ طَ وَيَعْلَمُ
مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝
يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا ثُمَّ وَمَا عَمِلَتْ
مِنْ سُوءٍ ثُمَّ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمْدًا بَعِيدًا طَ وَيَعْلَمُ رَبُّ
اللَّهُ نَفْسَكَهُ طَ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
فَاتَّبِعُوْنِي وَجِئِنِّي بِكُمْ اللَّهُ طَ وَيَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۝ فَإِنْ تَوَلُّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے، اسے خواہ تم چھپا دیا ظاہر کرو، اللہ بہر حال اسے جانتا ہے، زمین اور آسمانوں کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اپنے کیے کا پھل حاضر پائے گا خواہ اس نے بھائی کی ہو یا برائی۔ اس روز آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا! اللہ تھمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے [۲۷]

اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ ”اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزرفتار میں کامیاب ہو۔“ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ”ان سے کہو کہ“ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔“ پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں، تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں [۲۸]

[۲۷] یعنی یہ اس کی انتہائی خیر خواہی ہے کہ وہ تمہیں قبل از وقت ایسے اعمال پر متنبہ کر رہا ہے جو تمہارے انجام کی خرابی کے موجب ہو سکتے ہیں۔

[۲۸] یہاں پہلی تقریر حتم ہوتی ہے۔ اس کے مضمون، خصوصاً جنگ بدر کی طرف جو اشارہ اس میں کیا گیا ہے، اس کے انداز پر غور کرنے سے غالب قیاس یہی ہوتا ہے کہ اس تقریر کے نزول کا زمانہ جنگ بدر کے بعد اور جنگ احمد سے پہلے کا ہے، یعنی ۳ ہجری۔ محمد بن اسحاق کی روایت سے عموماً لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس سورت کی ابتدائی ۲۸۰ آیتیں وفد نجران کی آمد کے موقع پر ۹ ہجری میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اوقیانوس تقریر کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ اس سے بہت پہلے نازل ہوئی ہوگی، وسرے مقابل بن سلیمان کی روایت میں تصریح ہے کہ وفد نجران کی آمد پر صرف وہ آیات نازل ہوئی ہیں جو حضرت یحییٰ اور حضرت عیلیٰ علیہما السلام کے بیان پر مشتمل ہیں اور جن کی تعداد ۳۰ یا اس سے کچھ زائد ہے۔

الْكُفَّارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ أَصْطَافَى آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَلَمَيْنِ ۖ لَذُرْرَىٰ هُمْ بَعْضُهُمَا مِنْ بَعْضٍ ۖ وَ اللَّهُ أَعْلَمُ ۗ زَدْ قَالَتِ امْرَأُتُ عِمْرَانَ رَبِّي إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي

[۲۹] اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لیے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے، جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ [۳۰] (وہ اس وقت سن رہا تھا) جب عمران کی عورت کہہ رہی تھی کہ ”میرے پروردگارا میں اس پنج کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر

[۳۱] یہاں سے دوسرا خطبہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے نزول کا زمانہ ۹ ہجری ہے، جب کہ نجراں کی میسائی جمہوریت کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ نجراں کا علاقہ جاڑا اور یمن کے درمیان ہے۔ اس وقت اس علاقے میں ۳۷ بستیاں شامل تھیں اور کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار قabil جنگ مرد اس میں سے نکل سکتے تھے۔ آبادی تمام تر عیسائی تھی اور تین سو داروں کے زیر حکم تھی۔ ایک عاقب کہلاتا تھا، جس کی حیثیت امیر قوم کی تھی۔ دوسرا سید کہلاتا تھا، جوان کے تمدن و سیاسی امور کی نگرانی کرتا تھا اور تیسرا اسقف (بیش) تھا، جس سے مذہبی پیشوائی متعلق تھی۔ جب نبی ﷺ نے کہ فتح کیا اور تمام اہل عرب کو یقین ہو گیا کہ ملک کا مستقبل اب محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہے، تو عرب کے مختلف گوشوں سے آپ کے پاس وفاداً نے شروع ہو گئے۔ اسی سلسلے میں نجراں کے تینوں سو داروں میں آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینے پہنچے۔ جنگ کے لیے بہر حال وہ تیار تھے۔ اب سوال صرف یہ تھا کہ آیا وہ اسلام قبول کرتے ہیں یا ذمی بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر خطبہ نازل کیا تاکہ اس کے ذریعے سے وفد نجراں کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔

[۳۰] عمران حضرت موسیٰ اور بارون علیہما السلام کے والد کا نام تھا، جسے باعثیل میں ”عمراں“ لکھا ہے۔

[۳۱] مسیحیوں کی گمراہی کا تمام تر سبب یہ ہے کہ وہ مسیح کو بندا اور رسول مانے کے بجائے اللہ کا بیٹا اور الوہیت میں اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اگر ان کی یہ بنیادی علمی رفع ہو جائے، تو اسلام صحیح و خالص کی طرف ان کا پہنچنا بہت آسان ہو جائے۔ اسی لیے اس خطبے کی تعبید یوں اٹھائی گئی ہے کہ آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران سب پیغمبر انسان تھے، ایک کی نسل سے دوسرا پیدا ہوتا چلا آیا، ان میں سے کوئی بھی خدا نہ تھا، ان کی خصوصیت بس یہ تھی کہ خدا نے اپنے دین کی تبلیغ اور دنیا کی اصلاح کے لیے ان کو منتخب فرمایا تھا۔

[۳۲] اگر عمران کی عورت سے مراد ”عمران کی بیوی“ لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ عمران نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، بلکہ یہ حضرت مریم کے والد تھے، جن کا نام شاید عمران ہو گا۔ (یہی روایات میں حضرت مریم کے والد کا نام یا آخیm loachim لکھا ہے) اور اگر عمران کی عورت سے مراد آل عمران کی عورت لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریم کی والدہ اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ لیکن ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ معلومات نہیں ہے جس سے ہم قطعی طور پر ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکیں، کیونکہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت مریم کے والد کوں تھے اور ان کی والدہ کس قبیلے کی تھیں۔ البتہ اگر یہ روایت صحیح مانی جائے کہ حضرت میکی علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم کی والدہ آپس میں رشتہ کی بہنیں تھیں تو پھر ”عمران کی عورت“ کے معنی قبیلہ عمران کی عورت ہی درست ہوں گے، کیونکہ انہیں اوقا میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے کہ حضرت میکی کی والدہ حضرت بارون کی اولاد سے تھیں (اوقا: ۵)۔

بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقْبَلُ مِنِّيْ وَإِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا
وَضَعَهَا قَالَتْ رَبِّيْ إِنِّيْ وَضَعُتْ هَا أُنْثِيْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ
وَلَيْسَ اللَّذِكَرُ كَانَ لِأُنْثِيْ وَلَيْسَ سَمِيْتُهَا مَرْيَمَ وَلَيْسَ أَعْيَدْنَاهَا
إِنَّكَ وَدْرِسَيْتَهَا مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقْبَلَهَا رَبُّهَا يَقْبُولُ
حَسَنِيْ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَلَّهَا زَكْرِيَاً طَلْكَمَادَ حَلَّ عَلَيْهَا
زَكْرِيَاً الْمُحَرَّابَ لَوَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۝ قَالَ يَمِيرِيمُ أَتَى لِكَ هَذَا
قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کرتی ہوں، وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہوگا۔ میری اس پیشکش کو قبول فرم۔ تو سننے اور جاننے والا ہے۔^[۳۳] پھر جب وہ پچھی اس کے ہاں پیدا ہوئی تو اس نے کہا ”مالک! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا، اللہ کو اس کی خبر تھی۔ اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔^[۳۴] خیر، میں نے اس کا نام مریم کہ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی آنکھ نسل کو شیطان مردوں کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“ آخرا راس کے رب نے اس لڑکی کو بخوبی قبول فرمایا، اسے بڑی اچھی لڑکی بنانا کر اٹھایا۔ اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔

زکریا^[۳۵] جب بھی اس کے پاس محراب^[۳۶] میں جاتا تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتا۔ پوچھتا مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ جواب دیتی اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

[۳۳] یعنی تو اپنے بندوں کی دعا کیں سنتا ہے اور ان کی نیتوں کے حال سے واقف ہے۔

[۳۴] یعنی لڑکا ان بہت سی فطری کمزوریوں اور تمدنی پابند یوں سے آزاد ہوتا ہے، جو لڑکی کے ساتھ گلی ہوئی ہوئی ہیں، لہذا اگر لڑکا ہوتا تو وہ مقصد زیادہ اچھی طرح حاصل ہو سکتا تھا جس کے لیے میں اپنے بچے کو تیری راہ میں نذر کرنا چاہتی تھی۔

[۳۵] اب اس وقت کا ذکر شروع ہوتا ہے جب حضرت مریم من رشد کو بچنے لگیں اور بیت المقدس کی عبادت گاہ (بیکل) میں داخل کر دی لگیں اور ذکر الہی میں شب و روز مشغول رہ لگیں۔ حضرت زکریا جن کی تربیت میں وہ دی گئی تھیں، غالباً رشتے میں ان کے خالو تھے اور بیکل کے مجاہروں میں سے تھے۔ یہ وہ ذکریاہ نبی نہیں ہیں جس کے قتل کا ذکر باعثیں کے پرانے عہد نامے میں آیا ہے۔

[۳۶] لفظ محراب سے لوگوں کا ذہن بالعموم اس محراب کی طرف چلا جاتا ہے جو ہماری مسجدوں میں امام کے کھڑے ہونے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ لیکن یہاں محراب سے یہ چیز مرد نہیں ہے۔ صوامع اور کنسیوں میں اصل عبادت گاہ کی عمارت سے متصل سطح زمین سے کافی بلندی پر جو کمرے بنائے جاتے ہیں، جن میں عبادت گاہ کے مجاہر، خدام اور معتکف لوگ رہا کرتے ہیں، انہیں محراب کہا جاتا ہے۔ اسی قسم کے کمروں میں سے ایک میں حضرت مریم مختلف رہتی تھیں۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ
ذِرْيَةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الْدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتُهُ الْمَلِكَةُ وَهُوَ
قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمَحْرَابِ لَا أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا
بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّلِحِينَ ۝
قَالَ رَبِّ أَنِّي يَكُونُ لِي عُلْمٌ وَقَدْ بَلَغْنِي الْكِبَرُ وَأَمْرَاتِي
عَاقِرٌ ۝ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي
آيَةً ۝ قَالَ أَيْتُكَ أَلَا تَكْلِمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ آيَاتٍ لِلَّارْمَاظَ وَادْكُرْ

یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا ”پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر۔ تو ہی دعا سننے والا ہے۔“ [۳۷] جواب میں فرشتوں نے آواز دی، جب کہ وہ محرب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ ”اللہ تجھے یحیی“ [۳۸] کی خوشخبری دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان [۳۹] کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا۔ اس میں سرداری و بزرگی کی شان ہوگی۔ کمال درجہ کا ضابط ہوگا۔ نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔ زکریا نے کہا ”پروردگار! بھلا میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا؟ میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔“ جواب ملا ”ایسا ہی ہوگا۔“ [۴۰] اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ”عرض کیا“ مالک! پھر کوئی نشانی میرے لیے مقرر فرمادے۔“ [۴۱] کہا ”نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا کوئی بات چیت نہ کرو گے (یا نہ کرسکو گے)، اس دوران میں اپنے رب کو بہت

[۴۲] حضرت زکریا اس وقت تک بے اولاد رہتے۔ اس نوجوان صالح لڑکی کو دیکھ کر فطرۃ ان کے دل میں یقینا پیدا ہوئی کہ کاش، اللہ نبی ایسی ہی نیک اولاد عطا کرے، اور یہ دیکھ کر کہ اللہ کس طرح اپنی قدرت سے اس گوشہ نشین لڑکی کو رزق پہنچا رہا ہے، انہیں یہ امید ہوئی کہ اللہ چاہے، تو اس بڑھاپے میں بھی ان کو اولاد دے سکتا ہے۔

[۴۳] باحصل میں ان کا نام ”یوحنانا پیغمبر دینے والا“ (John the Baptist) لکھا ہے۔ ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو ملتی باب ۳ و ۱۱ و ۱۳۔ مارقس باب ۱ و ۶۔ ابو قابا باب اول۔

[۴۴] اللہ کے ”فرمان“ سے مراد حضرت میلکی علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے ایک غیر معمولی فرمان سے خرق عادت کے طور پر ہوئی تھی اس لیے ان کو قرآن مجید میں ”کَلِمَةً مِنَ اللَّهِ“ کہا گیا ہے۔

[۴۵] یعنی تیرے بڑھاپے اور تیری بیوی کے بانجھ پن کے باوجود اللہ تجھے بیٹا دے گا۔

[۴۶] یعنی ایسی علمت بتاوے کہ جب ایک پیر فرتوت اور ایک بوڑھی بانجھ کے باں لڑکے کی ولادت جیسا عجیب غیر معمولی واقعہ پیش آنے والا ہو تو اس کی اطلاع مجھے پہلے سے ہو جائے۔

۱۷۰ رَبَّكَ كَثِيرًا وَ سَبِّحْ بِالْعَشِيرَىٰ وَ الْأَبْكَارِ ۱۷۱ وَ إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ
يُمْرِيْمُ إِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَكِ وَ طَهَرَكِ وَ أَصْطَفْلِكِ عَلَى نِسَاءِ
الْعَلَمِيْنَ ۱۷۲ يُمْرِيْمُ اقْتَرَنَ لِرَبِّكِ وَ اسْجَدَتِيْ وَ ازْكَعَيْ مَعَ
الرَّكِعِيْنَ ۱۷۳ ذَلِكَ مِنْ آثَابِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ طَوْمَا
كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقَوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيْهُمْ يَكْفُلُ مَرِيْمَ صَ وَ مَا
كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۱۷۴ إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يُمْرِيْمُ
إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكُلِّمَةٍ مِنْهُ فِي اسْمِهِ الْمَسِيْحُ عِيسَى ابْنُ
مَرِيْمَ وَ جِيْهَا فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ مِنَ الْمُفَرِّيْنَ ۱۷۵

یاد کرنا اور صحیح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔ [۲۲] پھر وہ وقت آیا جب مریم سے فرشتوں نے آ کر کہا ”اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجوہ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لیے چن لیا۔ اے مریم! اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہا، اس کے آگے سر صحیح ہو، اور جو بندے اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک جا۔“

اے نبی! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعہ سے بتا رہے ہیں، ورنہ تم اس وقت وہاں موجود نہ تھے جب ہیکل کے خادم یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ مریم کا سرپرست کون ہوا پہنچنے اپنے قلم پھینک رہے تھے، [۲۳] اور نہ تم اس وقت حاضر تھے جب ان کے درمیان جھگڑا اپرنا تھا۔ اور جب فرشتوں نے کہا ”اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا،

[۲۲] اس تقریر کا اصل مقصد عیسائیوں پر ان کے اس عقیدے کی غلطی واضح کرتا ہے کہ وہ صحیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور اللہ کا بھتھے ہیں۔ تمہید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کرنا وجدے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح صحیح علیہ السلام کی ولادت مجرور ان طریقہ سے ہوئی تھی اسی طریقہ ان سے چھوٹی مہینہ پہلے اسی خاندان میں حضرت یحییٰ کی پیدائش بھی ایک دوسری طرح کے مجرمے سے ہو چکی تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اگر یحییٰ کو ان کی اعجازی ولادت نے اللہ نبی بنایا تو تمہیں محض اپنی غیر معمولی پیدائش کے بل پرالہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

[۲۳] یعنی قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اس قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ حضرت مریمؑ کی ولادت نے ان کو خدا کے کام کے لیے ہیکل کی نذر کر دیا تھا۔ اور وہ چونکہ لڑکی تھیں اس لیے یہ ایک نازک مسئلہ بن گیا تھا کہ ہیکل کے مجاہدوں میں سے کس کی سرپرستی میں وہ رہیں۔

وَيَكِّلُمُ النَّاسَ فِي الْهَدَا وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّلِحِينَ ۝ قَالَ
رَبِّ أَنِّي يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسُسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝
وَيَعْلَمُهُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وَالْتَّوْرِيلَةُ وَالْإِنْجِيلُ ۝ وَرَسُولًا إِلَى
بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا إِنِّي قَدْ جَئْنَكُمْ بِاِيمَانٍ مِنْ رَبِّكُمْ لَا إِنِّي أَحْلُقُ

لوگوں سے گھوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، اور وہ ایک مرد صالح ہوگا۔“ یہ سن کر مریم بولی ”پروردگار! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔“ جواب ملا” ایسا ہی ہوگا، [۲۲] اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔“ (فرشتوں نے پھر اپنے سلسلہ کلام میں کہا) ”اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔“

(اور جب وہ بخششیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا) ”میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں

[۲۳] یعنی باوجود اس کے کہ کسی مرد نے تجھے ہاتھ نہیں لگایا، تیرے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ یعنی لفظ گذلک (ایسا ہی ہوگا) حضرت زکریا کے جواب میں بھی کہا گیا تھا۔ اس کا جو غیبوم وہاں ہے وہی بیہاں بھی ہونا چاہیے۔ یہ بعد کافقرہ بلکہ پچھلا اور اگلا سارا بیان اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ حضرت مریم کو صفائی مواصلت کے بغیر بچہ پیدا ہونے کی بشارت دی تھی اور فی الواقع اسی صورت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ ورنہ اگر بات بیکھی کہ حضرت مریم کے باہم اسی معروف فطری طریقہ سے بچہ پیدا ہونے والا تھا جس طرح دنیا میں عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے، اور اگر حضرت عیسیٰ کی پیدائش فی الواقع اسی طرح ہوئی ہوتی تو یہ سارا بیان قطعی مہمل ٹھیک ہے جو چوتھے روکوں سے چھٹے روکوں تک چلا جا رہا ہے، اور وہ تمام بیانات بھی بے معنی قرار پاتے ہیں جو ولادت مسیح کے باب میں قرآن کے درمیں مقامات پر ہمیں ملتے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو والہ اور ابن اللہ اسی وجہ سے سمجھا تھا کہ ان کی پیدائش غیر فطری طور پر بغیر باب کے ہوئی تھی، اور یہودیوں نے حضرت مریم پر الزام بھی اسی وجہ سے لگایا کہ سب کے سامنے یہ واقعیتیں آیا تھیں آیا تھا کہ ایک لڑکی غیر شادی شدہ تھی اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اگر یہ سرے سے واقعی نتھا تب ان دونوں گروہوں کے خیالات کی تردیدیں میں اتنا کہہ دینا بالکل کافی تھا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو، وہ لڑکی شادی شدہ تھی، فلاں شخص اس کا شوہر تھا، اور اسی کے نطفے سے عیسیٰ پیدا ہوئے تھے۔ یہ محض روکوں بات کہنے کے بجائے آخراتی بھی تمہیدیں اٹھانے اور بیچ در بیچ باتیں کرنے اور صاف صاف مسیح بن فلاں کہنے کے بجائے مسیح بن مریم کہنے کی آخر کیا ضرورت تھی، جس سے بات سمجھنے کے بجائے اور الجھ جائے۔ پس جو لوگ قرآن کو کلام اللہ مانتے ہیں اور پھر مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ بھی ثابت کرنے کو شکر تے ہیں کہ ان کی ولادت حسب معمول باب اور ماں کے اتصال سے ہوئی تھی وہ دراصل ثابت یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اطہار مانی الخسیر اور بیان مدعای کی اتنی قدرت بھی نہیں رکھتا جتنی خود یہ حضرات رکھتے ہیں۔ (معاذ اللہ)